www.rahimia.org

قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہُ السَّعِید
بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد رائے پوری** مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی **عبدالخالق آزاد رائے پوری** جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

دسمبر 2024ء / جمادی الاولیٰ، جمادی الاخریٰ ۱۴۴۶ھ • جلد نمبر 16، شمارہ نمبر 12 • قیمت: 30 روپے • سالانہ ممبر شپ: 350 روپے

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

ترتیبِ مضامین

- امامِ انسانیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوتِ حنیفیّت
- اعمالِ صالح کے لیے نیت کی درستی کی ضرورت
- ابو نَجِیح، عِرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ
- سانحۂ 25 نومبر؛ ایک اَور خونچکاں داستان اور اس کے مضمرات!
- نفس، قلب اور عقل پر دلائل اور اُن کے اَفعال
- سقوطِ بغداد؛ وجوہات واسباب
- پہلے بگاڑو اور لوٹو، پھر سنوارو اور لوٹو
- رہنمائی کے دو ذرائع: ''الکتاب'' اور ''الحکمت''
- حکمت' درست فیصلوں کی اَساس ہے
- حکمت کے اُصول پر علمائے حق کی جدوجہد اور مصلحت پر حکمت کی فوقیت کا اظہار
- کیپٹل اِزم، سرمایہ دار قوتوں کا آلارکا نظام؛ عالمی سطح پر اس نظام کی کارستانیاں
- حضرت مولانا علامہ موسیٰ جار اللہ بیگی آفندیؒ
- امریکی صدارتی انتخاب 2024ء
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ — مسند نشینِ ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت والاؒ نے فرمایا:

''(تصوف میں دو بنیادی اصطلاحات ہیں):

(۱) ایک تو ''سلوک'' ہے، یعنی ''چلنا''

(۲) اور ایک ''جذب'' ہے، یعنی ''کھنچ جانا''۔

جب اللہ تعالیٰ کو دنیا میں کچھ (اہم کام) کرنا منظور ہوتا ہے تو کسی ایسے قلب کے (حامل) انسان کو دنیا میں بھیج دیتے ہیں، جس میں ''جذب'' ہو۔ اور پھر اَور لوگ بھی ایسے ہی پیدا ہو جاتے ہیں، جن کو اس سے مناسبت ہو (جاتی ہے)۔ اس طرح وہ شخص ان کا مرکز بن جاتا ہے (اور لوگ اس کے پیچھے چلنے لگ جاتے ہیں)''۔

(۴رذی الحجہ ۱۳۶۵ھ/ 30 اکتوبر 1946ء، بروز: بدھ۔ مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 197، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جا سکتا ہے۔

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

امامِ انسانیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوتِ حنیفیت

سورت البقرہ کی آیت 122 سے لے کر 150 تک بنی اسرائیل کے وہ مخلص لوگ جو کتاب اللہ کی تلاوت اُس کے پورے حقوق کے ساتھ کرتے ہیں، انھیں ملتِ ابراھیمیہ حنیفیہ کے بنیادی اَساسی اُصول سمجھائے جا رہے ہیں۔ گزشتہ آیات (2-البقرہ: 122-123) میں انھیں پہلا بنیادی اَساسی اُصول یہ سمجھایا گیا کہ ہر انسان اپنے کیے دھرے کا خود ذمہ دار ہے۔ اس لیے آخرت کے دن سے ڈر کر دی گئی نعمتوں کی قدر کرو۔

اس آیت (124) میں بنی اسرائیل کو دوسرا اُصول یہ یاد کرایا جا رہا ہے کہ انسانیت کے امام حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ جیسا کہ تم بھی اُن پر فخر کرتے ہو۔ اُن کی اتباع کرنا ضروری ہے۔ اس لیے ملتِ ابراھیمیہ حنیفیہ کی اصل تعلیمات کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اُن کے مقرر کردہ ملّی اُصولوں میں تحریف کر کے خود ساختہ یہودی یا نصرانی ملتیں بنانا درست نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ماضی کی تاریخ کا مطالعہ کرو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملتِ حنیفیہ کے قیام کے لیے کتنی آزمائشوں سے گزرنا پڑا اور کلماتِ الٰہیہ کی تکمیل اور انھیں پورا کرنے کے لیے کتنی عظیم الشان جدوجہد اور کوشش کی۔

وَاِذِ ابۡتَلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ (اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے ربّ نے کئی باتوں میں، پھر اس نے وہ پوری کیں): حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ایسے زمانے میں دنیا میں تشریف لائے تھے، جب ستارہ پرست اور بت پرست ملّتِ صابئین کا نظام قائم تھا۔ یہ ملت مادی طبیعاتی قوانین کے تجربات اور فلکیاتی وسماوی مشاہدات پر مبنی علم نجوم کی اَساس پر اپنا نظامِ زندگی استوار کیے ہوئے تھی۔ انھوں نے انسانیت کی فطرت کو مسخ کر کے پتھر کی مورتیوں اور سورج، چاند، ستاروں کو مؤثرِ حقیقی سمجھ لیا تھا اور انھی کی پرستش میں مبتلا ہو کر شرک اور کفر کی گہری وادیوں میں گر چکی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس ملّتِ طبیعیین اور ملّتِ نجّامین کے مجموعے ملّتِ صابئین کے فرسودہ اور سطحی فکری وعملی نظام کو واضح دلائل کے ساتھ ردّ کیا اور انسانیت کو توحید کی اَساس پر ملّتِ حنیفیہ کی دعوت دی۔ اور انسانیت کے اقترابات اور ارتفاقات کی ترقی کا ایک عالم گیر انسان دوست نظام متعارف کرایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد آنے والے تمام انبیاؑ کو حکم دیا گیا کہ ''تم ملّتِ ابراھیمیہ حنیفیہ کی اتباع کرو'' (3- آلِ عمران: 95)۔ اس لیے بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل، بلکہ تمام انسانیت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی ملت کی اتباع کرنا ہے۔

''ملت'' کی تعریف کرتے ہوئے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں: ''کسی کام کی ایسی مخصوص صورت معین کرنا اور اُس صورت کو عمل میں لانے کا ایسا خاص عملی طریقۂ کار اور نظام بنانا، جس سے انسانی زندگی کے ارتفاقات اور اقترابات عملی طور پر سرانجام دیے جاسکیں، اُسے ''ملت'' کہتے ہیں۔'' (البدور البازغہ، ج:2، ص:335)

پھر شاہ صاحبؒ نے اب تک انسانیت کے نظام ہائے ملت کی تین اقسام بیان کی ہیں: مادی اور طبیعی قوانین کی اَساس پر ارتفاقات اور اقترابات کے عملی طریقہ اور نظامِ کار بنانے والوں کو ''ملّتِ طبیعیّین'' کہا جاتا ہے۔ فلکیاتی ستاروں کی اَساس پر عملی نظامِ کار بنانے والوں کو ''ملّتِ نجّامین'' کہا جاتا ہے۔ اللہ وحدہٗ لاشریک اور اُس کی کتابوں اور رسولوں کی اَساس پر ارتفاقات واقترابات کا عملی نظام قائم کرنے والوں کو ''ملّتِ حنیفیہ'' کہا جاتا ہے، جو دراصل انسانیت کی اصل فطری ملت ہے۔

اس آیت میں واضح کیا جا رہا ہے کہ پروردگارِ عالم نے انسانیت کی فطری ترقی کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جن ''کلماتِ الٰہیہ'' کی اَساس پر ملّتِ ابراھیمیہ حنیفیہ کرنے کا حکم دیا تھا، انھوں نے اسے پوری ذمہ داری سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور انسانیت کی فطرت کے خلاف تمام ملتوں کو مغلوب اور ردّ کر کے توحیدِ الٰہی کی اَساس پر ''ملّتِ حنیفیہ'' قائم کرنے کی جدوجہد کی۔ اس کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جن آزمائشی مراحل اور واقعات پر مشتمل ''کلمات'' سے گزرنا پڑا، انھیں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''تأویل الأحادیث'' میں یوں بیان فرمایا ہے:

1۔ کلمۂ توحید کا اعلان: یعنی شرک وکفر سے برأت اور توحیدِ الٰہی کی طرف توجہِ کامل: آپؑ نے اس ملّتِ صابئین کو چیلنج کیا اور اُن کے فکر وعمل کا بودہ پن دلائل سے ثابت کیا۔ اور فلکیاتی سیاروں کی خدائی کا انکار کر کے پوری استقامت کے ساتھ اپنی توجہ کو خالصتاً اللہ کی طرف کرنے کا اعلان کیا۔

2۔ کلمۂ توحید کے غلبے کے لیے غیر اللہ کے خلاف غیرت کا مظاہرہ: غیر اللہ کی عبادت کے حوالے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام انتہائی غیرت مند تھے۔ اسی سبب سے انھوں نے لوگوں کے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بت توڑے۔ اس کے نتیجے میں جب اُن پر آگ میں ڈالنے کی آزمائش آئی تو وہ بڑے صبر واستقامت سے اس آزمائش میں پورے اُترے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُن پر آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔

3۔ مہاجرت الی اللہ کے لیے وطن چھوڑنا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلبِ مقدس نے منکرینِ خدا اور انسانیت کے دشمنوں کی ظالمانہ اجتماعیت کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنے وطن سے ہجرت کی اور ملّتِ ابراھیمیہ حنیفیہ قائم کرنے کے لیے ارضِ مقدس کا رُخ کیا، تاکہ اُس کی اجتماعیت قائم ہو سکے۔

4۔ دعوتِ حنیفیت کے لیے اولاد کی تعلیم وتربیت: حضرت ابراہیم علیہ السلام اسّی سال کی عمر تک اولاد کی نعمت سے محرومی کی آزمائش سے گزرے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول کرتے ہوئے ملّتِ ابراھیمیہ حنیفیہ کے مستقبل میں فروغ کے لیے انھیں دو عظیم بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام عطا کیے۔

5۔ ملّتِ حنیفیہ کے مکی مرکز کے لیے اولاد سے دُوری: حنفی تعلیمات کے فروغ کے لیے حضرت ابراہیمؑ اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور اُن کی والدہ

www.rahimia.org

حضرت ہاجرہؑ کو اپنے وطن کنعان سے بہت دور وادیٔ بطحا کے لق و دق میدان میں اللہ کے سپرد کر دیا۔ بڑھاپے میں پیدا ہونے والی اولاد کو اپنے سے دور کرنا بڑی آزمائش تھی۔

6۔ شعائر اللہ کے غلبے کے لیے طبعی پدری محبت کی قربانی: اللہ تعالیٰ نے جب انھیں اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا تو دونوں حضرات اس آزمائش میں پورے اُترے۔ اس طرح انھوں نے اپنی طبعی پدری محبت کی قربانی دی۔

7۔ ملتِ حنیفیہ کے غلبے کے لیے مراکز کی تعمیر: کل انسانیت کی فلاح و بہبود کا عالم گیر نظام قائم کرنے کے عالمی مرکز' بیت اللہ الحرام کی تعمیر ضروری ٹھہری تو انھوں نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کی تعمیر کی اور فلسطین میں دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام نے بیت المقدس کی نگہبانی کی۔

یہی وہ الٰہی ''کلمات'' ہیں، جنھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اچھی طرح پورا کیا۔

اس آیت کے ذیل میں عام طور پر مفسرین نے نبی اکرم ﷺ کی چند احادیث بیان کر کے فطرتِ انسانی کی دس سنتوں؛ مثلاً مونچھیں کاٹنا، بغلوں اور زیرِ ناف بالوں کو صاف کرنا، ناخن تراشنا وغیرہ بدنِ انسانی کی طہارت سے متعلق اُمور بیان کیے ہیں۔ یہ دراصل ملّتِ ابراھیمیہ حنیفیہ کے مجموعی نظام میں خُلقِ طہارت سے متعلق اُمور کی چند مثالیں ہیں۔ امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں: ''جس طرح بدن کی ظاہری طہارت کا حکم دیا گیا ہے، اسی طرح عقل اور قلب کی طہارت کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی شرک وکفر وغیرہ کی نجاستوں سے پاک ہوں اور کسی قوم کی ملت اور دین کو کفر وشرک، سستی وکاہلی اور اللہ کے احکامات کے نفاذ میں کوتاہی وغیرہ گندگیوں سے پاک کرنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم وملت کو ان گندگیوں سے صاف کیا اور ملتِ حنیفیہ کے کلمات کی تکمیل کی''۔

یہ بات بھی اہمیت رکھتی ہے کہ دینِ اسلام کی تعلیمات میں خُلقِ طہارت کے ساتھ دیگر اَخلاق؛ اِخبات، سماحت اور عدالت بھی ہیں۔ ان چاروں انسانی اَخلاق کی اَضداد پر مشتمل گندگیوں کو صاف کرنا بھی ضروری ہے۔ ان کے بھی رسول اللہ ﷺ نے بہت سے احکامات بیان فرمائے ہیں اور دینِ اسلام کا مکمل نظام واضح فرمایا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اصل آزمائش صرف خُلقِ طہارت سے متعلق ہی خاص نہیں، بلکہ ایک پوری ملت کا قیام تھا، جو حنفی اُصولوں پر انسانیت کا مکمل نظام استوار کرے اور صرف طبعیاتی قوانین اور فلکیاتی اَثرات کی اَساس پر نظامِ زندگی اُستوار کرنے والے ملّتِ صابئین کے پورے نظام کو توڑنا بھی حضرت ابراہیمؑ کا اصل ہدف تھا۔ اس عظیم الشان کام ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے بارے میں یہ فرمایا کہ:

قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (تب فرمایا: میں تجھ کو کروں گا سب لوگوں کا پیشوا): انسانیت کو صحیح راستے پر ڈالنا اور قوموں کو ترقی کن نظام کی رہنمائی دینا ایک بڑا اونچا کام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس عظیم الشان کام کی انجام دہی کے لیے کل انسانیت کا امام مقرر کیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت اولوالعزم اور عظیم الشان پیغمبر ہیں۔ اُن کی شخصیت میں انسانیت کی اصل فطرت اور اُس کے اعلیٰ اَخلاق کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ کل انسانیت کی رہنمائی کے لیے جس اعلیٰ درجے کی فطری قیادت اور امامت کی ضرورت تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام دنیائے انسانیت میں اس حوالے سے بہت اونچے مقام پر فائز ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں ''امامِ انسانیت'' بنایا گیا اور باقی تمام انبیا علیہم السلام کو اُن کی ملت کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بلند شان کو بیان کرتے ہوئے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: ''انسانیت کی فطرت کے مطابق رہنمائی کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قیادت اور فطری امامت کی شان اتنی اونچی ہے کہ نہ کوئی انسان اُن سے پہلے اس اعلیٰ مقام تک پہنچا ہے اور نہ کوئی اُن کے بعد پہنچا''۔ (تاویل الاحادیث)

کسی بھی شعبے میں قیادت کے منصب پر فائز ہونے کے لیے اُس شعبے سے متعلق اُمور کو غالب کرنے میں قائدانہ کردار ادا کرنے کی آزمائش ضروری قرار پاتی ہے۔ کل انسانیت کی قیادت کے لیے انسانیت کے فطری معیار اور نمونے کو اعلیٰ پیمانے پر قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کی اور انسانیتِ عامہ میں کلماتِ الٰہیہ کی تکمیل کی ذمہ داری آپ کو سونپی اور آپ ہر طرح کی آزمائش میں پورا اُترے۔ انسانیت دشمن ملتوں کے خاتمے اور کل انسانیت کی ترقی کے لیے ملّتِ حنیفیہ قائم کرنے کے لیے قدم قدم پر مشکلات اور آزمائشی مراحل سے گزرے۔

انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا علم اقترابات اور انسانی احتیاجات کو پورا کرنے کا علمِ ارتفاقات انسان کو حاصل ہو۔ ان دونوں علموں کی عملی شکل وصورت پورا کرنے کے لیے ایک طریقۂ کار اور نظام کی ضرورت ہوتی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ مُفہَّمِین (سمجھ دار لوگوں) کی اقسام بیان کرتے ہوئے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں ''امام'' کی تعریف کرتے ہیں: ''جس سمجھ دار اور عقل مند آدمی کے زیادہ تر علم کا تعلق کسی ملت کے اُصول، قاعدوں اور اُس کی کامیابی کی مصلحتوں کی معرفت سے ہو اور وہ اُس ملت کے مٹ جانے والے اُمور کو دوبارہ قائم کرنے کے لیے لوگوں کو اُبھارے، اُسے ''امام'' کہا جاتا ہے۔'' (مبحث: سیاستِ ملیہ، باب: حقیقتِ نبوت)

انسانیت کی اصل فطرت پر مبنی خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ ''ملتِ حنیفیہ'' جسے حضرت آدم اور نوح علیہما السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک کے انبیا نے انسانیت کے سامنے رکھا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں اُس کے اُصول، قاعدے اور مصلحتیں بھلا دی گئی تھیں۔ اور اصل فطری ''ملتِ حنیفیہ'' کی جگہ پر مادی اور طبعی قوانین کی بنیاد پر ''ملتِ طبیعیین'' اور فلکیاتی ستاروں کی بنیاد پر ''ملتِ نجامین'' پر مشتمل تحریف شدہ ''ملتِ صابئین'' وجود میں آ چکی تھی۔ (بقیہ: صفحہ 12 پر)

www.rahimia.org

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

اعمالِ صالح کے لیے نیت کی درستی کی ضرورت

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَ إِنَّمَا لِامْرِیءٍ مَّا نَوٰی، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ إِلٰى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ إِلٰى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ". (صحیح بخاری، حدیث:6689)

(حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ ہر انسان کو وہی حاصل ہوگا، جو اُس نے نیت کی۔ جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہوگی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے شمار ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کمانے یا کسی عورت سے شادی رَچانے کے لیے ہوگی تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی، جس کے لیے اس نے ہجرت کی"۔)

عمل کی قدر و قیمت' نیت کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر نیت میں فتور یا کوئی منفی سوچ غالب ہو، رضائے الٰہی مقصود نہ ہو تو عمل کا اَجر متأثر ہوتا ہے۔ عمل کرتے وقت دو امور ضروری ہیں!

ایک: مقصد متعین کرنا کہ میں کیا کام اور کیوں کر رہا ہوں۔ اس کو "نیت" کہتے ہیں۔ نیت' انسان کے قلبی فیصلے کو کہتے ہیں۔ اس قلبی اور دماغی فیصلے کا اظہار وہ نیت سے کرتا ہے۔ شریعت میں محض عمل مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اس عمل سے حاصل ہونے والے نتائج مطلوب ہوتے ہیں، وہ نتائج تبھی حاصل ہوں گے، جب انسان اس طرف متوجہ ہو۔

دوسرا یہ کہ عمل کرتے وقت نیت کا درست ہونا ضروری ہے۔ ورنہ بڑے سے بڑا عمل ضائع ہو جاتا ہے۔ اگر نیت میں فتور ہو تو کتنا بھی بڑا عمل ہو، اس کا نتیجہ صحیح نہیں آسکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات ہجرت کی مثال دے کر سمجھائی ہے۔ ہجرت' دین پر عمل کرنے کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑ دینا ہے۔ وطن چھوڑنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ جو انسان اپنا وطن چھوڑتا ہے، وہ اپنے ماضی پر خطِ تنسیخ کھینچ دیتا ہے۔ اس کی پہچان، سیاسی وسماجی حیثیت اور روابط سب ختم ہو جاتے ہیں۔ نئی جگہ پر انسان کا کوئی سماجی تعارف، کوئی سیاسی حیثیت نہیں ہوتی۔ نئی جگہ نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرنا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ہجرت ایک مشکل عمل ہے، لیکن اس عمل میں بھی اگر نیت ٹھیک نہ ہو تو وہ عمل قبول نہیں ہوتا۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص اگر ہجرت اس لیے کرتا ہے کہ وہ دوسری جگہ جا کر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے دین پر عمل کرنا چاہتا ہے اور ایک ایسے ماحول میں جانا چاہتا ہے، جو قربِ خدا کے لیے مددگار ہو جائے اور وہ وہاں پر اپنی دینی اور اُخروی کامیابی کی راہ پر چل سکے تو اس کی اس نیت کے مطابق اللہ اس کو اجر عطا کر دیں گے۔ اس کے برعکس جو دین کے نام پر اپنا وطن کسی دُنیوی مقصد کے لیے چھوڑتا تو اسے اس کا مطلوبہ مقصد تو حاصل ہو سکتا ہے، رضائے الٰہی نہیں مل سکتی۔ اس لیے انسان کو اپنا محاسبہ خود کرنا چاہیے۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

ابو نَجیح، عِرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہٗ

حضرت ابو نَجیح، عِرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہٗ کا تعلق قبیلہ بنو سُلَیم سے تھا۔ آپؓ بڑے خدا ترس اور خوفِ خدا سے زار و قطار آنسو بہانے والے صحابیٔ رسول تھے۔ آپ اپنے قبیلے کے ان نو افراد میں سے ہیں، جنھوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعتِ اسلام کی۔ پھر دربارِ رسالتؐ سے سفر و حضر میں سائے کی طرح ساتھ جڑے رہے۔

غزوۂ تبوک میں ایک دن نمازِ فجر کے بعد اپنے خیمے کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ المؤمنون کی دس آیات تلاوت فرمائیں اور بلال سے فرمایا کیا ناشتہ ہے؟ ہم بھی سوچ رہے تھے کہ ناشتہ کہاں سے ہوگا انہوں نے کچھ کھجوریں پلیٹ میں رکھ کر پیش کیں۔ اللہ کے پیغمبرؐ نے بسم اللہ پڑھی اور فرمایا: "سب کھائیں"، لیکن ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی۔

حضرت عرباضؓ حق و سچ بات کہنے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور ہر ایک کو حق رائے دہی پر آمادہ کرتے۔ آپؓ ان لوگوں میں شامل تھے، جن کے بارے میں یہ قرآنی آیت نازل ہوئی: "اور ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ نہیں کہ جب وہ تیرے پاس آئیں کہ انھیں سواری دے، تُو نے کہا: میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ تمھیں اس پر سوار کر دوں، تو وہ لوٹ گئے اور اس غم سے کہ ان کے پاس خرچ موجود نہیں تھا (تاکہ وہ جہاد میں شریک ہوسکیں) ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے"۔ (9-التوبہ:92)

حضرت عرباضؓ وفاتِ نبویؐ کے بعد شام کے شہر حمص میں مقیم ہوگئے۔ وہاں احادیث اور علومِ نبویہ کی تعلیم میں مصروف رہے۔ آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کی کئی احادیث مبارکہ روایت کی ہیں۔ آپؓ صُفّہ کے مشہور لوگوں میں شامل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ: جب ہم صُفّہ میں حضور ﷺ کی تربیت میں تھے تو آپؐ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہمارے پھٹے پُرانے عمامے کو دیکھ کر فرمایا:

"آج جو نعمتیں تم سے دور ہیں، اگر تمھیں پتہ چل جائے کہ تمھارا مستقبل کیا ہے تو تمھیں آج کوئی غم نہ ہو۔ اگلا دور آرہا ہے جب تم غالب ہوگے اور فارس و روم پر فتح پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ سب نعمتیں تمھیں عطا فرمائے گا"۔ (مسند احمد)

حضرت عرباضؓ دورِ خلافت راشدہ میں اور اس کے بعد بھی دینی علمی اور شعوری بیداری کی جدوجہد میں مصروف رہے۔ اجتماعی زندگی کی تشکیل اور بقا کے اُصول نبی کریمؐ سے نقل کر کے مکمل رہنمائی فرمائی اور سوسائٹی کو تشتّت و انتشار سے محفوظ رہنے کی علمی و تاریخی اساس مہیا کی۔ حضرت عرباضؓ نے طویل عمر پائی اور ۷۵ھ میں شام میں فوت ہوئے۔

(تاریخ ابن کثیر، مسند احمد، طبرانی کبیر، تفسیر طبری، سیر اعلام النبلاء للذہبی)

www.rahimia.org

سانحۂ 25 نومبر:
ایک اَور خونچکاں داستان اور اس کے مضمرات!

جمہوری طرزِ حکومت کا تصور، عوامی حقوق اور آزادیوں کی پاسداری پر استوار ہوا ہے۔ اس میں جلسے، جلوس اور احتجاجی مظاہروں کو سیاسی جماعتوں کا ایک آئینی و قانونی حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ ایسی سرگرمیاں عوام کے جذبات، خیالات اور مطالبات کو ریاستی پالیسی سازی میں شامل کرنے کا ایک اہم ذریعہ مانی جاتی ہیں۔ اختلافِ رائے اور پُرامن احتجاج کو ایک متحرک معاشرے کی علامت کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔

دنیا میں مروّج جمہوری نظاموں میں حکومت کا یہ فرض مسلَّم مانا جاتا ہے کہ وہ اپنے شہریوں کے جذبات اور آواز کو دبانے کے بجائے سمجھنے کی کوشش کرے۔ سیاسی مظاہرین سے لاٹھی اور گولی کے بجائے مذاکرات، مفاہمت اور گفت وشنید کے ذریعے نمٹا جانا چاہیے۔ ترقی یافتہ ممالک میں ریاست' جذباتی سیاسی ورکرز کے ساتھ بھی تحمل اور بُردباری کا مظاہرہ کرتی ہے۔ ان کے مطالبات کو سننے کے لیے فورمز فراہم کیے جاتے ہیں اور ان کی شکایات کا حل نکالنے کی سنجیدہ کوشش کی جاتی ہے۔ پولیس اور انتظامیہ کا کردار' عوام کے تحفظ کو یقینی بنانا ہوتا ہے، نہ کہ طاقت کے استعمال سے ان کے حقوق کو کچلنا۔ لیکن ہم جس نوآبادیاتی عہد کے سفاک اداروں کے بوجھ تلے گزشتہ کئی دہائیوں سے پڑے کراہتے رہے ہیں، اس کے کردار کے تسلسل میں سانحۂ 25 نومبر برعظیم پاک وہند میں غلامی کے دور کی تاریخ میں گزرے کئی واقعات کی طرح عوامی احتجاج کو طاقت کے ذریعے دبانے کی ایک اَور بدترین مثال ہے۔

جیسا کہ سانحۂ جلیاں والا باغ (1919ء): برطانوی جنرل ڈائر نے پُرامن اجتماع پر اندھا دُھند فائرنگ کر کے سینکڑوں ہندوستانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ ایسے ہی سانحۂ قصہ خوانی بازار (1930ء): پشاور میں خدائی خدمت گار تحریک کے نہتے مظاہرین پر برطانوی حکومت نے فائرنگ کی، جس میں درجنوں جانیں ضائع ہوئیں۔ اسی طرح سانحۂ بھابڑہ (1948ء): قیامِ پاکستان کے بعد خدائی خدمت گار تحریک پر ریاستی تشدد کے ذریعے سیاسی آزادی کے مطالبات کا جواب گولیوں سے دیا گیا تھا۔

سانحۂ مشرقی پاکستان (1971ء) میں ہمارے سیکیورٹی اداروں نے مشرقی پاکستان (اب بنگلادیش) میں عوامی مظاہرین، سیاست دانوں اور طلبا پر بے رحمانہ طاقت کا استعمال کیا تھا۔ اس دوران ان پر ہزاروں افراد کے قتل کا الزام ہے۔ یہ واقعہ پاکستان کی تاریخ کا ایک انتہائی تاریک اور شرم ناک باب سمجھا جاتا ہے۔

ماضی قریب میں بلوچستان اور سندھ میں سیاسی تحریکوں کو کچلنے کے لیے کئی بار وسیع پیمانے پر انسانی جانوں کی بے حرمتی کی گئی۔ چند سال پہلے سانحۂ ماڈل ٹاؤن (2014ء) لاہور میں ریاستی انتظامیہ نے کارکنوں پر سیدھی گولیاں چلا کر کئی بے گناہ مرد و خواتین کو برسرِعام قتل کر دیا تھا۔

سانحۂ 25/نومبر کے حوالے سے حکومت اور مظاہرین کی جماعت پی ٹی آئی کے متضاد بیانات سامنے آئے ہیں، جس میں حکومت نے دعویٰ کیا ہے کہ مظاہرین پر گولیوں کا استعمال نہیں کیا گیا۔ پی ٹی آئی نے الزام عائد کیا ہے کہ ان کے بیسیوں کارکنوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا، جس کے نتیجے میں کئی جانیں ضائع ہوئیں۔ غیر جانب دار حلقوں نے اس واقعے کو حکومت کی جانب سے پُرامن شہریوں کے خلاف طاقت کا اندھا دُھند ناجائز استعمال قرار دیا ہے۔ مزید برآں معتوب جماعت کا دعویٰ ہے کہ حکومت نے ہسپتالوں سے مقتولین اور زخمیوں کا ریکارڈ غائب کیا ہے، تاکہ حکومت' عوامی غیض وغضب کا شکار ہونے سے بچ سکے۔

آج سوشل میڈیا کے دور میں ایسے واقعات پر 'پردہ ڈالنا' ناممکن ہے۔ ہر شخص کی جیب میں موبائل نما کیمرہ موجود ہے اور کیمرے کی آنکھ سب کچھ ریکارڈ کر لیتی ہے۔ خوف کے سائے ہٹتے ہی ان کیمروں میں محفوظ کلپس آنا شروع ہو جاتے ہیں، جو طاقت وروں کی جگ ہنسائی کا باعث بنتے ہیں۔

ایسے میں ایک تیسرے کردار کا بڑا بھیانک چہرہ سامنے آیا ہے، جو سوسائٹی میں اختلاف کو برداشت نہ کرنے کا بدترین نمونہ ہے۔ یہ وہ افراد ہیں جو سیاسی نفرت کی بنیاد پر 25/نومبر کے انسانی سانحے کا مذاق اُڑا رہے ہیں اور پختونوں کے نام پر سِفلہ گوئی اور طعنہ زنی جیسی پست خیالی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ پی ٹی آئی کے طرزِ سیاست کے بارے میں ان کے سفاک مخالفین کے علاوہ اپنے تجزیے کی بنیاد پر باشعور افراد بھی اپنی ایک شعوری رائے رکھتے ہیں اور اس جماعت کی سیاسی غلطیوں کی بھی ایک طویل فہرست ہے، لیکن ایسے موقع پر بربریت کی حمایت اور انسانی جانوں کے تلف ہونے پر بھونڈے مذاق اور ٹھٹھہ اُڑانا' سماجی بے حسی اور سیاسی بدتمیزی کا مظہر ہے کہ ایک قومی سانحے کو اپنی پست ترین مفاداتی عینک سے دیکھا جائے۔ ان کے اس طرزِ عمل سے ملک کی سالمیت، وحدت اور ثقافتی ہم آہنگی کو شدید نقصان پہنچا ہے، جس سے مستقبل میں بہت شدید اندیشے سر اُٹھا رہے ہیں۔

آپ کو یاد ہوگا ہمارے یہاں کے کچھ طبقوں نے بنگالی قوم کا بھی مذاق اُڑایا تھا اور مشرقی پاکستان کی علاحدگی میں بنگالیوں کی مغربی پاکستان کے حکومتی رویے سے ناراضگی اور شکوے بنیادی کردار رکھتے تھے۔ ریاست اور اس کے مغربی باشندوں کو ان کی سیاسی، ثقافتی اور اقتصادی شکایات کو بروقت سمجھنے اور حل کرنے میں ناکامی کا سامنا رہا، جس کے نتیجے میں ایک سنگین سانحہ وقوع پذیر ہوا۔ آج بھی پختونخوا اور بلوچستان کے عوام میں ریاستی طبقات سے گہری ناراضگی پائی جاتی ہے، جو کبھی بھی ایک نئے بحران کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ ان صوبوں کے عوام کے حقوق، وسائل کی منصفانہ تقسیم اور ثقافتی شناخت کے حوالے سے ان کے تحفظات کو نظرانداز کرنا' قومی یک جہتی کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ اگر ان کی شکایات کو سیاسی سطح پر سنجیدگی سے حل نہ کیا گیا تو یہ ملک ایک اَور سانحے کا شکار ہوسکتا ہے۔ (بقیہ: صفحہ 12 پر)

www.rahimia.org

افکارِ شاہ ولی اللہؒ

مترجم: مفتی عبدالخالق آزادرائے پوری

نفس، قلب اور عقل پر دلائل اور اُن کے اَفعال

علم الاحسان کے فوائد میں مقامات واحوال کا جاننا تین لطائف یعنی نفس، قلب اور عقل کے سمجھنے پر ہے۔ گزشتہ شمارے میں پہلا مقدمہ بیان کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ نے ان تینوں لطائف کے ثبوت کے قرآن وحدیث سے دلائل پیش کیے تھے اور پھر ان کے ثبوت کے عقلی دلائل زیرِ بحث تھے۔ اسی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّةُ اللّٰہِ البالِغه'' میں فرماتے ہیں:

(تینوں لطائف کی کارکردگی' تعاونِ باہمی کے بغیر مکمل نہیں)

''پھر ان تینوں لطائف (نفس، قلب، عقل) میں سے ہر ایک کی کارکردگی دوسرے کے تعاون کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔ پس:

☆ اگر کسی کی دی گئی گالی کی بُرائی یا کہی گئی اچھی بات کی اچھائی کا ''عقل'' کے ذریعے اِدراک نہ ہو اور اُس سے نفع اور نقصان کا اندازہ نہ ہو تو انسان کے ''نفس'' میں غصہ کا اُبھار اور ''قلب'' میں محبت کا جوش پیدا نہیں ہوگا۔

☆ اگر ''قلب'' میں متانت اور قوت نہ ہو تو ''عقل'' کے کسی تصور کی قلبی تصدیق نہیں ہوگی (اس لیے کہ کسی عقلی تصور اور حقیقت کی تصدیق ''قلب'' کا کام ہے)۔

☆ اور اگر کھانے پینے کی چیزوں اور شادی بیاہ کے اُمور کی ''نفس'' کے ذریعے سے معرفت حاصل نہ ہو اور اُن میں جو فوائد ہیں، اُس کا اندازہ نہ ہو تو:

o کبھی طبیعت کا میلان ان اُمور کی طرف نہیں ہوسکتا۔

o اور ''قلب'' کے احکامات پورے بدن کے ہر ہر عضو میں پوری گہرائی کے ساتھ نافذ نہ ہوں تو انسانی ''نفس'' لذیذ چیزوں کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے۔

(تینوں لطائف کی کارکردگی میں دیگر اعضائے جسم کا کردار)

اگر انسانی حواس ''عقل'' کے خدمت گار کے طور پر کام نہ کریں تو ہم انسان' دنیا میں کسی چیز کا اِدراک نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ:

☆ عقلی طور پر فکر ونظر سے حاصل کیے گئے اُمور؛ بدیہی اور ظاہری چیزوں کے ادراک کے تابع ہوتے ہیں۔

☆ اور تمام بدیہی اور ظاہری اُمور کا اِدراک' محسوسات سے متعلق اُمور کے تابع ہوتا ہے (اس طرح حواس کے تعاون کے بغیر عقل کام نہیں کرسکتی)۔

اور اگر انسانی اعضا میں سے ہر ایک عضو۔ جس پر ''قلب'' اور ''دماغ'' کی صحت موقوف ہے۔ صحت مند نہ ہو تو ان دونوں اعضا کو بھی صحت حاصل نہیں ہوگی اور اُن کے اَفعال اور کردار پورے طور پر نتیجہ خیز نہیں ہوں گے۔

(یہ تینوں لطائف' انسانی جسم کی مملکت کے بادشاہ ہیں)

حقیقت یہ ہے کہ ان تینوں اعضا میں سے ہر ایک عضو اور لطیفہ، انسانی جسم کی ریاست کے بادشاہ کے طور پر کام کرتا ہے، جس کے ذمے اپنے سے متعلقہ بڑے اہم کاموں کا اہتمام کرنا ہوتا ہے۔ (اس کو درجِ ذیل مثال سے سمجھئے!)

جس طرح کسی آدمی نے کوئی مشکل قلعہ فتح کرنا ہو، یا اسی طرح کا کوئی اَور مشکل کام سرانجام دینا ہو، تو اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دیگر ساتھیوں کے لشکروں سے تعاون حاصل کرے اور دشمن سے مقابلے کے لیے اسلحے وغیرہ کی مدد طلب کرے۔ اور اس طرح وہ قلعے کو فتح کرنے کی تدبیر اختیار کرے۔ اس کام سے متعلق تمام تر احکامات اُسی کی طرف سے جاری ہونے چاہئیں اور اُسی کی رائے پر تمام لشکروں کو عمل کرنا چاہیے۔ باقی تمام اعضا اُس کے خدمت گار ہوں، وہ اُس کی رائے کے مطابق عمل کریں۔ ایسی صورت میں مملکت میں وقوع پذیر ہونے والے حوادث و واقعات کی صورتیں اور ملکی حالات اُن صفات کے مطابق پیدا ہوتے ہیں، جو ملک کے سربراہ اور بادشاہ پر غالب ہوں۔ چناں چہ:

☆ ملک کے حکمران اور بادشاہ کی جرأت اور بزدلی کی نوعیت کے مطابق ہی ملک کے حالات وواقعات ہوتے ہیں۔

☆ یا اس حکمران کی سخاوت اور بخل کی نوعیت کے اعتبار سے ملک کی حالت ہوتی ہے۔

☆ یا اُس حکمران کے عدل اور ظلم کے رویوں کے مطابق ملک کی حالت ہوتی ہے۔

(ریاستوں کی طرح بدنِ انسانی کی مملکت کے احوال بھی ہوتے ہیں)

جس طرح بادشاہوں اور حکمران طبقوں کے مزاجوں، اُن کی قائم کردہ آرا اور اُن کی جسمانی صفات کے مختلف ہونے سے ہر ایک ریاست اور مملکت کے احوال و واقعات مختلف ہوتے ہیں، اگرچہ اُن حکمرانوں کے لشکری نظام اور آلات ایک دوسرے سے مشابہت ہی کیوں نہ رکھتے ہوں۔ ایسے ہی انسانی بدن کی مملکت میں ان تینوں لطائف؛ نفس، قلب اور عقل میں سے جو لطیفہ سربراہ کے طور پر حکم دے رہا ہے، اُس کے مطابق اُس انسانی جسم کے احوال ومقامات بھی مختلف ہوں گے۔

(تینوں لطائف اور اُن سے پھوٹنے والے افعال واعمال کی نوعیت)

خلاصہ یہ ہے کہ وہ تمام افعال اور اُمور جو ان تینوں لطائف میں سے کسی ایک لطیفے سے پھوٹتے ہیں، وہ باہم ایک دوسرے سے کچھ اس طرح ملے ہوئے اور قریب ہوتے ہیں کہ اُن میں یا تو وہ کسی افراط کی طرف، یا تفریط کی طرف میلان ہوتا ہے، یا افراط و تفریط کے بغیر اعتدال کی درمیانی حالت میں قرار پکڑے ہوتے ہیں۔

(یعنی: اگر کسی انسان کی ''عقل'' کمزور ہے تو اُس سے پھوٹنے والے تمام اعمال اور اُمور' تفریط یعنی کوتاہی کی طرف مائل ہوں گے۔ اور اگر ''عقل'' قوی اور غالب ہے تو اُس سے پھوٹنے والے اعمال اِفراط یعنی زیادتی کی طرف مائل ہوں گے۔ اور اگر ''عقل'' درمیانے درجے کی ہے تو اُس کے افعال بھی افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کی حالت میں ہوں گے۔ یہی معاملہ ''قلب'' اور ''نفس'' کا بھی ہے۔)

(ابواب الاحسان، باب:4، المقامات والاحوال)

www.rahimia.org

اسلامی دور کی ناقابلِ فراموش شخصیات

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

سقوطِ بغداد؛ وجوہات واَسباب

آسمان را حق بود گر خوں بہ ِگریَد بر زمین
بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المومنین

(اگر آسمان امیر المومنین مستعصم کی خلافت کے زوال پر خون کے آنسو برسائے تو اس کو یہ حق حاصل ہے۔) یہ زوالِ بغداد پر شیخ سعدیؒ کا مرثیہ ہے۔

زوالِ خلافتِ عباسیہ کی صورت گری اس طرح سے ہوئی کہ ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ آور ہونے کے لیے پوری تیاری کر لی اور بغداد شہر کا محاصرہ کرلیا۔ شہر والوں نے اپنے طور پر شہر کا دفاع کیا۔ پچاس روز تک تاتاری فوج کو شہر میں گھسنے نہیں دیا۔ اس دوران ابن علقمی اور اس کے ہم عقیدہ پل پل کی خبریں ہلاکو خان کو پہنچا رہے تھے۔ ابن علقمی شہر سے نکل کر ہلاکو خان کے پاس جاتا ہے اور اپنے لیے امن طلب کرتا ہے، لیکن واپس شہر میں آکر خلیفہ سے کہتا ہے کہ میں نے آپ کے لیے امن حاصل کرلیا ہے۔ آپ ہلاکو خان کے پاس جائیں، وہ عراق کی حاکمیت آپ ہی کو سونپ دے گا۔ چناں چہ خلیفہ اپنے بیٹے کے ہمراہ ہلاکو خان کے پاس پہنچا تو اس نے خلیفہ سے کہا کہ اپنے عمائدینِ سلطنت اور علما وفقہا کو بھی بلوائیں۔ خلیفہ نے یہ پیغام بھیج دیا تو خلیفہ کا حکم سن کر تمام اراکینِ سلطنت' تاتاریوں کے لشکر کے پاس پہنچے تو تاتاری فوج نے نہایت بے رحمی کے ساتھ ایک ایک کر کے سب کو قتل کر دیا۔

پھر ہلاکو خان نے خلیفہ سے کہا کہ شہر میں پیغام بھیجو کہ شہر والے ہتھیار رکھ دیں اور شہر سے باہر آجائیں۔ خلیفہ نے یہ پیغام بھی شہر والوں کو بھیج دیا۔ اہلِ شہر باہر نکلے تو تاتاری فوج نے ان کو بھی گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا۔ شہر کی خندق لاشوں سے اٹ گئی۔ دریائے دجلہ ان شہیدوں کے خون سے سرخ ہوگیا۔

اب تاتاری فوج شہر میں داخل ہوئی۔ عورتیں اور بچے سروں پر قرآن رکھ کر گھروں سے نکلے، لیکن تاتاری فوج کے ظلم و بربریت سے کوئی نہ بچ سکا۔ ہلاکو خان نے قتلِ عام کا حکم دے دیا تھا۔ صرف وہ لوگ بچ گئے جو کسی کنوئیں میں یا کسی چھپنے کی جگہ چھپ گئے تھے۔ اگلے روز ہلاکو خان خلیفہ کے ساتھ بغداد شہر میں داخل ہوا۔ قصرِ خلافت میں خلیفہ سے کہا کہ ہم تمھارے مہمان ہیں، ہمارے لیے کچھ حاضر کرو تو خلیفہ نے خزانوں کی کنجیاں اس کے حوالے کیں۔ ان خزانوں میں ہیرے، جواہرات اور اشرفیوں سے بھرے تھیلے برآمد ہوئے۔ خلیفہ کو ایک جگہ بند کر دیا گیا۔ خلیفہ نے کھانے کے لیے کچھ مانگا تو ہلاکو خان نے حکم دیا کہ ہیرے جواہرات کا ایک طشت بھر کر خلیفہ کے سامنے لے جاؤ اور کہو کہ اسے کھائے۔ خلیفہ نے کہا کہ ان کو کیسے کھا سکتا ہوں؟ تو اسے کہا گیا کہ جب تم انھیں کھا نہیں سکتے تو ان کو اپنی قوم، اپنے ملک کی حفاظت کے لیے اپنی قوم وافواج پر کیوں خرچ نہ کیا کہ آج وہ تمھاری حفاظت کرتیں اور تمھارا ملک بچاتیں۔ (بقیہ: صفحہ 12 پر)

ملکی معیشت

ملکی معیشت
ملکی معیشت

محمد کاشف شریف، اسلام آباد

پہلے بگاڑو اور لوٹو، پھر سنوارو اور لوٹو

جنگِ عظیم دوم کے بعد عالمی اداروں کے زیرِ اثر وانتظام' مغرب اور بالخصوص امریکا کی عظیم الشان صنعتی ترقی کا آغاز ہوا۔ اسے برقرار رکھنے کے لیے مالیاتی دہشت گردی اور خون ریز علاقائی جنگوں کا سہارا لیا جاتا رہا۔ اس سب کا ماڈل کچھ یوں تھا کہ اپنے عوام، یورپ اور دنیا کے دیگر کمزور ممالک کو کمیونزم سے ڈرا ڈرا کر جگہ جگہ فوجی اڈے بنائے جاتے، اور جو اس بات کو پورے طریقے سے نہ مانتا، اسے نت نئے مالیاتی بحرانوں میں مبتلا کر دیا جاتا۔ چناں چہ 1973ء میں تیل کے بحران کے نتیجے کے طور پر امریکی اسٹیبلشمنٹ کی اپنے سسٹم اور یورپ پر گرفت مضبوط ہوئی تھی۔ بعد ازاں امریکا عالمی مالیاتی نظام کو لے کر بڑے بڑے فیصلے کر پایا، جن میں کرنسیوں کو سونے سے آزاد کرنا، یورپ کے مالیاتی اتحاد میں تاخیر کروانا اور اسے ممکن بنانے کے لیے دنیا میں نئی جنگوں کا آغاز کرنا' قابلِ ذکر واقعات ہیں۔

سوویت یونین کی تقسیم کے بعد IMF، ورلڈ بنک اور WTO کے ذریعے اس گرفت کو مضبوط کیا گیا، لیکن چین اور بعد ازاں بھارت و دیگر کی صورت میں تازہ دم مقابل اس نظام کو ڈھانے کے لیے تیار تھے۔ اس لیے ہم نے دیکھا کہ نئی صدی کے آغاز سے ہی اس نظام میں دراڑیں واضح ہونے لگیں، جنھیں پُرانے فارمولے کے تحت علاقائی جنگیں اور عالمی دہشت گردی اور وبائیں بھی قابو نہ کرسکیں۔ اب اس سب ناکامی کے بعد واردات کا انداز بدلا جا رہا ہے، جہاں موسمیاتی تبدیلیوں کا شور مچا کر اقوامِ عالم کو ترقی کے راستے سے روکنے کی سازش رچائی جا رہی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ماحولیات کے حوالے سے اقدامات نہیں کرنے چاہئیں، بلکہ اس حوالے سے عالمی سطح پر سنجیدگی کے ساتھ حکمتِ عملی تشکیل دینی چاہیے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ موسمیاتی تبدیلیوں کو بنیاد بنا کر چین اور رُوس کی ترقی کو بالخصوص نشانہ بنایا جاتا ہے، جب کہ یہ بھی حقیقت ہے کہ چین نے گزشتہ دس سالوں میں بہترین انتظامی صلاحیت اور حکمتِ عملی سے اپنے یہاں موجود موسمیاتی چیلنجز سے جس طرح مقابلہ کیا ہے، وہ پوری دنیا کے لیے قابلِ تقلید ہے۔

اس تناظر میں ہمارے حکمرانوں کا تو کیا کہنا، وہ تو اپنے آقا کی پیروی میں ہر سال آفات کو جنم دیتے ہیں، یا ان کا انتظار کرتے ہیں، تاکہ کچھ اُوپر کا مال کمایا جاسکے۔ اب یہاں سے بھی موسمیاتی تبدیلیوں کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی ہے۔ اَور تو اَور ہمارے وزیرِ خزانہ صاحب بھی اس پر بول اُٹھے ہیں، جو عموماً ایسے موضوعات پر بات نہیں کرتے۔ ان کے بیان کے چند دنوں بعد IMF کی جانب سے پاکستان پر زور دیا گیا کہ اپنے سالانہ بجٹ میں 1500 ارب روپے ماحولیات کے لیے مختص کیے جائیں، یعنی: جن کے اخراجات پہلے ہی آمدن سے کہیں زیادہ ہیں اور جو صرف سود اُتارنے کے لیے مزید قرض لینے پر مجبور ہیں، ان سے کہا جا رہا ہے کہ سود، دفاع، انتظامیہ کے اخراجات کے ساتھ ساتھ اس قوم پر ماحولیات کی درستی کا بوجھ بھی ڈالو، جو پہلے ہی ان عالمی اور مقامی سرمایہ داروں نے برباد کر دیا ہے۔ موسمیاتی تبدیلی پر ضرور کام ہونا چاہیے، کیوں کہ یہ ہماری زندگی کا مسئلہ ہے، لیکن لوٹ مار کی ایک نئی سکیم کی صورت میں نہیں۔

www.rahimia.org

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

رہنمائی کے دو ذرائع؛ ''الکتاب'' اور ''الحکمت''

8؍ نومبر 2024ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں خطبہ جمعۃ المبارک ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:

''معزز دوستو! قرآن حکیم نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ انسانی ہدایت کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے: ایک ایسی کتاب، آئین اور دستور العمل کہ جس کی اَساس پر انسان اپنے عقل و شعور کو روشن کرے، اس کا ذہن واضح اور دوٹوک رہنمائی حاصل کرے، اس کے قلب کے ارادے اور عزائم اُس علم کے مطابق ڈھل جائیں۔ اور اس کا نفس اس علم کے مطابق عمل کرنے کے لیے آمادہ ہو۔ الکتاب کے بغیر، کسی دستور اور آئین کے بغیر، اِنسان یہ یکسوئی حاصل نہیں کرسکتا۔

دوسری چیز اس کتاب پر عمل درآمد کرنے کا پُر از حکمت کردار، حکمت - حکمتِ نظری ہو یا عملی - کے بغیر کسی آئین اور دستور پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ دونوں چیزیں ''الکتاب'' اور ''الحکمت'' نبی اکرم ﷺ پر نازل کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''اللہ نے اُتاری تجھ پر کتاب اور حکمت، اور تجھ کو سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا'' (4-النساء: 113)۔ اس آیتِ مبارکہ کا ایک خاص پس منظر ہے، جو اس سے پچھلے دو رکوعوں میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک منافق مسلمان اور ایک یہودی کے درمیان ایک مقدمہ رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں پیش ہوا۔ یہودی پر الزام تھا کہ اُس نے چوری کی ہے۔ جب کہ چوری کا کام اُس منافق مسلمان نے کیا تھا۔ ابھی آپؐ مقدمے کی سماعت ہی کر رہے تھے اور قلب میں کچھ رُجحان اس بات کی طرف گیا، لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ چوری اس منافق نے کی تھی۔

قرآن حکیم نے اسی تناظر میں یہاں حقیقتِ واقعہ بھی بیان کی ہے اور نبی اکرمؐ سے ایک اہم بات فرمائی ہے کہ آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے ''خصیم'' اور وکیل مت بنیں۔ عقیدے کی بحث الگ ہے۔ یہودی، رسول اللہ کو نہیں مانتا۔ اور یہ مسلمان ہے، لیکن معاملات کے حوالے سے خائن ہے۔ اس کی برادری، یا خاندان، یا کچھ مسلمانوں کے کہنے کی وجہ سے آپ اُن کی طرف سے خصیم بن کر یہودی سے سوال و جواب مت کیجیے۔ اس جملے سے پہلے فرمایا: اے محمدؐ! اگر آپ پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو یہ جو منافقوں کی پوری جماعت ہے، یہ آپ کو سیدھے راستے سے گمراہ کرچکی ہوتی۔ اللہ نے آپ کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی ہوئی ہے۔ آپ غلط فیصلے تک نہیں پہنچ سکتے۔ پھر اگلی آیت میں یہ فرمایا کہ ہم نے آپ پر ''الکتاب'' بھی نازل کی ہے اور ''الحکمت'' بھی نازل کی ہے۔ اس کتاب، اس کے اصولِ کلیہ، جن میں عدل، انصاف، امانت، دیانت، وغیرہ وغیرہ جو احکامات دیے گئے ہیں، اُس پر عمل درآمد کا جو صحیح اور درست راستہ اور طریقہ یعنی ''حکمت'' بھی ہم نے آپ پر نازل کی ہے، اس کی بنیاد پر آپ فیصلے کیجیے''۔

حکمت، درست فیصلوں کی اَساس ہے

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''حکمت کے لیے ضروری ہے کہ جس سطح کا مسئلہ ہو اور جس دائرے سے متعلق ہو، اس کے مطابق اُس کی اصل حقیقت معلوم کرکے رائے قائم کرنا۔ اسی کو قرآن حکیم نے دوسری جگہ پر فرمایا ہے: ''جس کو چاہتا ہے سمجھ دے دیتا ہے اور جسے سمجھ دی گئی تو اسے بڑی خوبی ملی'' (2-البقرہ: 269)۔ حکمت ایک وہ اعلیٰ درجے کی صلاحیت اور مہارت ہے، جو انبیاؑ پر نازل ہوتی ہے اور جیسے کتاب پڑھانا، اُس کی تعلیم دینا انبیاؑ کی ذمہ داری ہے، ایسے ہی حکمت سکھانا بھی اُن کی ذمہ داری ہے۔ ان دونوں باتوں کے تعلیم و تعلّم کا سلسلہ قیامت تک رہے گا۔

حکمت بھی نبی کی وراثت میں سے ہے اور اُن علمائے ربانیین کو ملتی ہے، جو واقعی ورثۃ الانبیاء ہیں۔ حکمت اُن کے ذہنوں میں منتقل ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد پر وہ رائے قائم کرتے ہیں۔ صحیح اور درست کی بنیاد پر فیصلہ سازی کرتے ہیں۔ خلط مبحث سے بچتے ہیں۔ اس لیے جو اعلیٰ درجے کے حکیم علما، حکمت پسند دماغ، حکمت کی اَساس پر صحیح اور درست فیصلے کریں، ان کی رائے ہمیشہ درست ہوگی۔ اور جو حکمت سے ماورا صرف ''الکتاب'' کی کچھ جزئیات لے کر رائے قائم کرتے ہیں، ان کی رائے غلط ہوسکتی ہے۔ ناقص یا ادھوری ہو جاتی ہے۔ فقط جزوی ہوتی ہے۔ یا ایک محدود دائرے سے تعلق رکھتی ہے، جب کہ حکمت، ایک وسیع دائرے سے تعلق رکھتی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جو ''علم اسرارِ دین'' مرتب کیا ہے، اس کی اَساسیات ''الحکمت'' ہے۔ حکمت کی اَساس پر یہ علم مدوّن ہوا ہے۔ اس کے بارے میں سطحی رائے قائم کرنا درست نہیں ہے۔ بہت سے علما ایسے ہیں جو حکمت کا ترجمہ ''مصلحت'' کرتے ہیں، لیکن جس حکمت کو قرآن نے ذکر کیا ہے، اس کا ترجمہ ''مصلحت'' کرکے ''علت'' کے مقابلے میں اسے رد کردینا، غلط بات ہے۔ یہاں حکمت وہ ہے، جس کا تعلق اُن تمام علل و اسباب اور اُس پورے عالم گیر نظام سے ہے، جس کا جائزہ لے کر الکتاب کے حکم شرعی کو عمل میں لانے کا پورا پروسیجر سمجھنا ضروری ہے۔

حقائق کے بغیر آپ صحیح رائے تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔ اگر آپ کو حقائق معلوم نہیں ہیں تو ممکن ہے آپ جسے نیکی سمجھ رہے ہیں، وہ ایک محدود دائرے سے متعلق ہو۔ وہ دوسرے دائرے کا اِثم اور گناہ اور ظلم ہو۔ اب مثلاً اس مثال کو دیکھ لیجیے کہ وہ منافق، مسلمان خاندان اور برادری سے تعلق رکھتا ہے۔ اُس منافق مسلمان کی سفارش کرنے کے لیے اُس کا خاندان آیا ہے، اگر عقیدے اور مسلم دائرے کے اندر دیکھا جائے تو انھوں نے تو اپنے خیال کے مطابق نیکی کی ہے، لیکن ریاست کے اُمور، عدل کا جو آفاقی قانون اور قومی نظام کے تناظر میں اُن کی یہ سفارش، گناہ ہے۔ خاندانی دائرے یا مسلم دائرے میں اُن کے خیال کے مطابق وہ البِـرّ (نیکی) ہے، لیکن قومی نظام کے دائرے میں وہ الاثـم ہے۔ کیوں کہ دائرہ بدل گیا۔ ایک دائرے کا اِثم دوسرے دائرے کا بِرّ ہوسکتا ہے۔ اور ایک دائرے کا بِرّ دوسرے دائرے کا اِثم ہوسکتا ہے''۔

www.rahimia.org

حکمت کے اُصول پر علمائے حق کی جدوجہد اور مصلحت پر حکمت کی فوقیت کا اظہار

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''ہندوستان پر ایک عالمی طاقت انگریز سامراج کا غلبہ ہے، برٹش شہنشاہیت مسلط ہے۔ ملک کے قومی اور بین الاقوامی دونوں نظام ''الاثم'' پر مبنی ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے۔اب ایک زوال پذیر قوم کو اس حقیقت کے تناظر میں صحیح اور درست رائے قائم کرنی ہے کہ اس کا قومی فریضہ کیا ہے؟ ''الحکمت'' کے اُصول پر اس کی ذمہ داری کیا ہے؟ حقیقت پر مبنی رائے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے متعین کی کہ آزادی کی جدوجہد کی جائے، اس کے لیے قربانی دی جائے۔ اگر کسی کی کوئی پارٹی یا انجمن یا ادارہ یا کسی بھی درجے کی خاندانی اجتماعیت ہے، وہ اجتماعیت تب درست قرار پائے گی کہ وہ اجتماعیت ملکی آزادی کے لیے بھرپور کردار ادا کرے۔

یہ رائے ولی اللّٰہی سلسلے کے اُن علما کی ہے، جن کے پاس حکمت ہے۔ حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کی ہے، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی ہے، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ہے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی ہے۔ مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی ہے کہ آزادی کی جنگ' ارتفاقِ ثالث کے تناظر میں قائم کرنا لازمی اور ضروری ہے۔

اب ذرا ان کے برخلاف ان کے ہی اپنے شاگرد علما اور بڑے بڑے نیک، بڑی بڑی خانقاہوں کے بانیوں کا جائزہ لیجیے، جو ''حکمت'' کے بجائے خودساختہ ''مصلحت'' کو سامنے رکھتے ہیں۔ اُن کی ساری بحث ہی یہ ہے کہ دین کے احکامات کی حکمت تو محض ایک مصلحت ہے اور اس دور کی مصلحت کوشی یہ ہے کہ انگریزوں سے ٹکراؤ نہ کیا جائے۔ مزاحمت نہ کی جائے، بس صرف اپنی خانقاہ کے مریدوں کی اصلاح کی جائے۔ اپنی پارٹی کے مفادات کو درست رکھا جائے۔ اپنا مدرسہ بچایا جائے۔ اپنا خاندان بچایا جائے۔ نہ صرف یہ، بلکہ کہ اگر مدرسہ بچانے کے لیے وہ غاصب چندہ دے تو قبول کرلو۔ تعاون کرے تو تعاون قبول کرلو۔ خانقاہ بچانے کے لیے، خاندان کی روٹی روزی کے لیے پیسے دے تو وہ بھی قبول کرلو۔ مصلحت اس میں ہے۔

اب آپ دیکھئے کہ حکمت کو مصلحت میں بدل دینے سے زاویۂ نگاہ ہی بدل گیا کہ مصلحت کی اَساس پر کسی حکمِ شرعی کو پیش نظر نہیں رکھا جاسکتا، بلکہ علت کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ اور علت بیان کی کہ چوں کہ 1857ء کی جنگِ آزادی میں یہاں کے لوگوں کو شکست ہوئی ہے، اس لیے ہمارے اندر طاقت نہیں ہے جنگ لڑنے کی، آزادی کے لیے قربانی دینے کی۔ بھئی! قومیں آزادی کے لیے قربانیاں دیتی آئی ہیں۔ خود یورپ اور امریکا نے آزادی کی جنگ لڑی ہے۔ اگر قوم متفق ہوتی اور اس طرح کے دلوں کو مرعوب کرنے والے فتوے اور رائے دینے والے مذہبی رہنما موجود نہ ہوتے تو قوم چند ہی سال بعد دوبارہ مقابلے پر کھڑی ہوتی۔ اگلے سو سال کے لیے غلام بنی نہ رہتی۔ چوں کہ اسی طرح کی مصلحت انگیزیاں اختیار کیں، مسئلہ قومی ہے اور اس مسئلے کو جماعتی، خانقاہی یا ایک مدرسے، ادارے کے تناظر میں دیکھنے سے قوم' سراسر نقصان میں جاتی ہے''۔

کیپٹل اِزم، سرمایہ دار قوتوں کا آلۂ کار کا نظام؛ عالمی سطح پر اس نظام کی کارستانیاں

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''ہندوستان پر غلامی کا دوسو سالہ زمانہ ہو یا آج تک پون صدی پر محیط پاکستان پر قبضہ ہو، اس کے پیچھے وہ عالمی سرمایہ دار طاقتیں اور قوتیں ہیں، بینک آف انگلینڈ بنانے والے ہیں، جو زر کو کیپٹل بنا کر سود وصول کرنے والے ہیں۔ وہ دنیا کی عالمی طاغوتی ساہوکار یہودی، برہمن، سودخور مافیا ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی تھے۔

سترہویں صدی کے آغاز میں جب برطانوی پارلیمنٹ میں بحث ہوئی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا تجارت کا طریقہ ریاستِ برطانیہ کے خلاف ہے۔ امپورٹ اور ایکسپورٹ میں ہندوستان کا پلڑا بھاری ہے۔ اس لیے اس پر پابندی لگائی جائے۔ پارلیمنٹ میں، دارالعوام میں لوگوں نے یہ بحث کی۔ تو کمپنی نے بادشاہ کو رشوت دے کر پارلیمنٹ کے علی الرغم بادشاہ سے لائسنس خرید لیا۔ بڑھتے بڑھتے انھیں سرمایہ دار طاقتوں اور قوتوں نے پوری دنیا کے بینکنگ سیکٹر کے ذریعے سے تمام کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اور اس کے نتیجے میں جمہوریت کو بھی یرغمال بنا لیا گیا۔ آپ بتاؤ! آج سے تین سو سال پہلے بادشاہ کے ذریعے سے پوری دارالعوام کو جوتے کی نوک پر رکھ کر اپنی بات منوالی، تو ان باقی تین سو سالوں میں برطانیہ کی جمہوریت کے اندر جو لیڈر تبدیل ہو ہو کر آتے رہے، وہ ان سرمایہ داروں کی اجازت کے بغیر تھے؟ بینک آف انگلینڈ کی مرضی کے خلاف تھے؟ امریکا میں فیڈرل بینک، جو پرائیویٹ ملکیت ہے، اس کے بغیر جمہوریت قائم ہوتی رہی؟ بلکہ ان سرمایہ داروں کی مرضی سے سب ہوتا رہا۔ اور پھر امریکا نے تو رشوت اور خیانت کو باقاعدہ جسٹیفائی کر دیا کہ جس اُمیدوار کو جس قدر زیادہ فنڈز ملیں گے اور کمپنیاں پیسے دیں گی، وہ تو خود بخود جیت جائے گا۔ ابھی ٹرمپ کو بھی وہاں کے سرمایہ دار مافیاز نے کامیاب کرایا۔ تو اگلے دن ہی جن لوگوں نے فنڈز دیے تھے، اُن کی کمپنیوں کے شیئرز اربوں کھربوں میں بڑھ گئے۔ خود ٹرمپ کی اپنی کمپنی کا شیئر بڑھ گیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خیانت کا نظام، صدر خریدتا ہے، پارلیمنٹ خریدتا ہے، عدالت خریدتا ہے، انتظامیہ خریدتا ہے، فوج خریدتا ہے، سیکیورٹی فورسز، پولیس خریدتا ہے، یہ عالمی سرمایہ داری نظام ہے۔ اور اس کے بل بوتے پر انھوں نے اپنے زر کو کرایہ پر چڑھایا ہے، اس کا سود وصول کرتے ہیں۔ اُسی کی بنیاد پر آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور گیٹ معاہدہ کر کے ریاستوں کو کیپچر کیا اور اُن کی معیشت کو کنٹرول کر کے اُن سے بات منوائی جاتی ہے۔ اب اس سے آیا ہوا فنڈ آپ کے سٹیٹ بینک کے ذریعے سے ماشاءاللہ اسلامی بینک کو ملتا ہے اور وہاں سے آگے آپ نے شرعی مسئلے شروع کر دیے کہ اس سرمائے کو بلاسودی کیسے بنایا جائے؟ حکمت کو مصلحت قرار دینے سے ایسی ہی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حکمت کو سمجھنے اور اس کے مطابق صحیح اور درست رائے قائم کرنے اور قومی و بین الاقوامی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔'' (آمین)

www.rahimia.org

عظمت کے مینار

وسیم اعجاز، کراچی

حضرت مولانا علّامہ موسیٰ جار اللہ بیگی آفندیؒ

یوں تو امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، لیکن بیرونِ ملک شاگردوں میں روس کے عالمِ دین مولانا موسیٰ جار اللہ بیگی آفندیؒ کا نام بہت اہمیت کا حامل ہے۔ حضرت علامہ موسیٰ جار اللہؒ کا شمار رُوس کے اسلامی مذہبی خاندان سے تھا جو کہ علاقے میں اسلامی تعلیمات کے فروغ میں نمایاں کردار کا حامل خاندان تصور کیا جاتا تھا۔ علامہ موسیٰ جار اللہؒ مذہبی سکالر، مصنف، صحافی، سیاست دان اور ماہرِ تعلیم کے طور پر جانے جاتے ہیں۔

شیخ موسیٰ جار اللہؒ 6/جنوری 1875ء میں روس کے شہر ''روستوف ڈان'' کے قریب ایک قصبہ ''رستورے'' میں پیدا ہوئے۔ علمی خاندانی پسِ منظر کی وجہ سے بچپن ہی سے تحصیلِ علم اور اس مقصد کے لیے سیاحت کا شوق تھا۔ 1888ء میں ان کی والدہ نے دینی تعلیم کی غرض سے انھیں قازان بھیجا۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد واپس اپنے آبائی شہر آ گئے۔ یہاں آ کر 1895ء میں سائنس کالج سے گریجویشن تک تعلیم مکمل کی۔

سیاحت کے شوق نے ایک جگہ بیٹھنے نہ دیا اور اپنی جوانی مختلف ممالک کی سیاحت اور مزید تعلیم کے حصول میں گزار دی۔ بخارا اور قاہرہ گئے۔ جامعۃ الازہر میں داخلہ لیا۔ اسی دوران شیخ محمد عبدہٗ سے تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے دنیا کے قریباً نصف ممالک کا دورہ کیا۔ اسی وجہ سے عربی، ترکی اور روسی زبان میں مہارت رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ بلغاروی، یگوسلاوی، فرانسیسی، فارسی اور اُردو سے بھی انھیں کافی واقفیت تھی۔

1901ء میں ہندوستان بھی تشریف لائے اور مختلف علمی مراکز کا دورہ کیا۔ اسی زمانے میں تین ماہ تک بھوپال میں مقیم رہے۔ وطن واپس آئے تو حالات زیادہ سازگار نہیں تھے۔ روسی انقلابی سرگرمیوں کے دوران مسلم آبادی کے لیے رہنمائی کی کمی تھی۔ اس دوران موصوفؒ مسلم اتحاد کے زبردست داعی کی حیثیت سے سامنے آئے اور مختلف مسلم اِکائیوں کے درمیان رابطوں کے سلسلے کا آغاز فرمایا۔ 1905ء تا 1917ء کے دوران ''آل رشیا مسلم کانگریس'' کے قیام اور اس کی سرگرمیوں میں بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ اپنی تقاریر اور تحاریر کے ذریعے رہنمائی فرمائی۔ اس کانگریس کا مقصد، زارِ روس کی حکومت اور انقلابی عمل کے دوران مسلم آبادی کو پیش آنے والے سیاسی، سماجی اور دینی مسائل کے حل کے لیے کوششیں کرنا اور انھیں متحد رکھنا تھا۔ 1906ء تا 1916ء کے دوران مسلم اتحاد کی تنظیم ''رشین پین اسلامک پارٹی'' میں بھی بھرپور کردار ادا کیا۔

روس کے سوشلسٹ انقلاب کے دوران نئے پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے اور دینی تعلیمات کے فروغ کے لیے تعلیمِ اسلام کا 5 سالہ نصاب بھی تیار کیا اور مسلم آبادی کو اس کے مطابق علمِ دین کے حصول کی جانب رہنمائی فرمائی۔ چوں کہ اس زمانے میں دینی نکتۂ نظر سے رُوس کے حالات سازگار نہیں تھے، اس لیے حکومتی اداروں کی جانب سے مزاحمت کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ کچھ عرصہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد برلن (جرمنی) چلے گئے۔ جب وطن واپس تشریف لائے تو قید کرلیا گیا۔ بعد ازاں انھیں 5 سال کے لیے جلاوطنی کی سزا سنائی گئی۔ 1926ء میں مؤتمر اسلامی میں روسی مسلمانوں کے نمائندے کے طور پر ان کا انتخاب ہوا۔

نومبر 1922ء میں جب مولانا عبید اللہ سندھیؒ افغانستان سے ماسکو پہنچے تو وہاں مولانا موسیٰ جار اللہؒ سے بھی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس وقت موصوفؒ کی رہائش گاہ سینٹ پیٹرز برگ میں تھی۔ موصوفؒ نے حضرت سندھیؒ کو اپریل 1923ء میں اپنی رہائش گاہ پر کے قیام کے لیے دعوت دی، جسے مولانا سندھیؒ نے قبول کرلیا اور اپنے ساتھیوں سمیت پورا رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ ان کی رہائش گاہ پر گزارا۔

1930ء میں اپنے وطن سے نکلے اور افغانستان، ہندوستان، چین، جاپان اور دوبارہ ہندوستان میں مقیم ہوئے۔ باضابطہ کسی سیاسی جماعت کے ساتھ تعلق نہ تھا، لیکن اس کے باوجود ہندوستان میں 5 سال تک نظر بند رہے۔ اسی دوران 3 سال بھوپال میں تعلیمی وتدریسی اور تصنیف و تالیف کی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ یو۔ پی میں قیام کے دوران سنسکرت زبان میں بھی مہارت حاصل کی۔ 1933ء میں ایک بار پھر برلن تشریف لے گئے اور وہاں ایک پبلشنگ ادارہ بھی قائم کیا۔

1937ء میں علامہ موسیٰ جار اللہؒ جب حجازِ مقدس تشریف لے گئے تو وہاں ان کی امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔ علم کی طلب، استاذ کی یہ سہولت دستیابی اور اس مقدس ماحول کی برکات سے انھوں نے امامِ نقلابؒ سے ولی اللّٰہی علوم ومعارف سیکھنے کی فرمائش کی۔ حضرت سندھیؒ نے تفسیر قرآنِ حکیم کا وہ حکیمانہ اُسلوب جو حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے متعارف کروایا تھا، اس کی تعلیم دی۔ 26/جولائی 1937ء تا 13/جنوری 1938ء امام عبید اللہ سندھیؒ نے انھیں عربی زبان میں تفسیرِ قرآنِ حکیم اِملا کرائی، جسے مولانا موسیٰ جار اللہؒ نے قلم بند کیا۔ خود حضرت سندھیؒ لکھتے ہیں: ''میں نے امام ولی اللہ (دہلویؒ) کے فلسفے کا عمیق مطالعہ شروع کر دیا۔ سارے قرآن عظیم کی تفسیر پر نظرِ ثانی کرتا رہا۔ ...علامہ موسیٰ جار اللہ افندی نے میرے تفسیری بیانات ضبط کر لیے ہیں''۔ (خطبات ومقالات) اس تفسیر کی ابتدائی تین سورتیں بعد میں مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ نے ''الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن'' کے نام سے دو جلدوں میں شائع کیں۔ حال ہی میں 2023ء میں اس کا ترکی زبان میں ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

مختلف ممالک کی سیاحت کے بعد 1938ء میں ایک بار پھر موسیٰ جار اللہؒ ہندوستان تشریف لائے۔ اس دوران بمبئی، بنارس وغیرہ میں قیام رہا۔ افغانستان میں مستقل قیام کا ارادہ کیا، لیکن حالات سازگار نہ ہونے کی وجہ سے جیل میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور پھر ہندوستان تشریف لے آئے اور 1947ء تک یہیں مقیم رہے۔ ایک اندازے کے مطابق 150 سے زائد کتب کے مصنف ہیں۔ موصوفؒ کی زندگی بہت زیادہ اَسفار اور صعوبتوں سے بھرپور تھی۔ 1947ء میں قاہرہ (مصر) چلے گئے اور دو سال بعد 28/اکتوبر 1949ء کو ان کا انتقال ہوا اور وہیں دفن کیے گئے۔

www.rahimia.org

عالمی منظر نامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

امریکی صدارتی انتخاب 2024ء

امریکا میں صدارتی انتخاب' ہر چار سال کے بعد باقاعدگی سے منعقد ہوتے ہیں۔ انتخابات کا انعقاد چوں کہ نومبر کے پہلے ہفتے کے پہلے منگل کو ہوتا ہے۔ پہلا منگل اس مرتبہ 5/نومبر کو تھا، 47 ویں امریکی صدر کے انتخاب کے نتائج کا اعلان 6/نومبر کو ہوا۔ مہم صرف سیاسی اعتبار سے اہم نہ تھی، بلکہ اخراجات کے اعتبار سے بھی مہنگی ترین تھی۔ امریکی میڈیا کے مطابق الیکشن مہم پر تقریباً 16 ارب امریکی ڈالر خرچ ہوئے۔ اخراجات کا بڑا حصہ 10 ارب 50 کروڑ ڈالر محض اشتہاری نوعیت کا تھا۔ انتخابی مہم کے دوران کملا ہیرس نے ایک ارب ڈالر اِکٹھے کیے، جب کہ ٹرمپ نے 382 ملین اور اضافی 694 ملین متعلقہ سرمایہ دار کمپنیوں سے وصول کیے۔ امریکی ایوان کی کل تعداد 538 ہے۔ جیتنے والے کو 270 نشستیں درکار ہوتی ہیں۔ ریپبلکن کے ڈونلڈ ٹرمپ نے 312 نشستیں جب کہ ڈیموکریٹس کے کملا ہیرس نے 226 نشستوں پر مقابلہ جیتا۔ سرمایہ دار ممالک امریکی انتخابات کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ امریکا میں کانگرس دو ایوانوں پر مشتمل ہے، جس میں شامل ایوانِ نمائندگان کی کل تعداد 435 اور سینٹ کے ارکان کی تعداد 100 ہے، جس میں تمام ریاستوں کو یکساں نمائندگی دی گئی ہے۔ جس کے دو دو سینٹرز ہوتے ہیں۔ سینٹ کی نشست پر انتخاب 6 سال کے لیے ہوتا ہے، جو ہر دو سال کے بعد منعقد ہوتا ہے۔ سینٹ کے حالیہ انتخاب میں 34 نشستوں کے لیے مقابلہ ہوا، جن میں 11 ریپبلکن اور 23 ڈیموکریٹس کو حاصل ہوئیں۔ سینٹ کی جن سیٹوں پر انتخاب ہوا، اس میں تین سیٹوں پر ریپبلکن کے مزید اُمیدوار کامیاب ہوگئے۔ اس طرح ان کی تعداد بڑھ کر 14 ہوگئی۔ صنفی نوعیّتوں میں اگر ووٹوں کا جائزہ لیں تو صورتِ حال کچھ یوں بنتی ہے کہ مردوں کے ووٹ ٹرمپ کو 54 فی صد پڑے ہیں، جب کہ کملا ہیرس کو 44 فی صد شمار ہوئے ہیں۔ اسی طرح خواتین کے ٹرمپ کو 44 فی صد اور کملا ہیرس کو 54 فی صد ووٹ شمار ہوئے ہیں۔ گورے اور کالے کی تمیز پر بھی ووٹ ڈالے گئے ہیں۔

امریکی انتخابات اس سال خاص نوعیت کے حامل تھے، کیوں کہ امریکا نے گزشتہ دو سالوں میں خاص طور پر اور چالیس پچاس سالوں سے عمومی طور پر دنیا کے متعدد کمزور ملکوں کے خلاف جنگی محاذ کھول رکھے ہیں۔ دنیا میں خوف و ہراس کا ماحول پیدا کر رکھا تھا۔ کمزور ملکوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا جا رہا تھا۔ کوئی ملک بھی اس کے خلاف آواز اٹھانے والا نہیں تھا۔ جو بھی اس کے جرائم کے خلاف آواز بلند کرتا، اسے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جاتا۔ مسلمان ممالک' خاص طور پر اس کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالے ہوئے ہیں۔ امریکی فوجی دستے کُل دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق صرف یورپ میں 16 لاکھ دستے تعینات ہیں۔ اسی طرح مشرقِ وسطیٰ کے متعدد ممالک میں دستے تعینات کر رکھے ہیں، جس کے جواز کے لیے داعش اور دیگر دہشت گرد تنظیمیں بنا رکھی ہیں۔ متعلقہ ممالک کی حکومتوں کو جواز دیا گیا کہ اگر امریکا اپنے فوجی دستے تعینات نہیں کرتا تو داعش اور ایران آپ کو کھا جائیں گے۔ اس کے باوجود امریکا نے عراق اور شام کے تیل کے کنوؤں پر قبضہ کر رکھا ہے اور خطے کے وسائل لوٹ رہا ہے۔ وہ ممالک جہاں فوجی دستے تعینات ہیں، ان میں عراق، شام، افغانستان، قطر، سعودی عرب، یو اے ای، بحرین، کویت، اُردن اور اسرائیل وغیرہ شامل ہیں۔ گزشتہ دو سالوں میں نیٹو جتھہ ۔ جس میں 30 ممالک شامل تھے ۔ نے ایک ملک کے خلاف جنگی محاذ کھول رکھا تھا۔ جتھے نے اپنے تمام تر وسائل' روس کے خلاف جنگ میں جھونک دیے۔ ایک محاذ یورپ میں، یعنی یوکرین اور دوسرا سلگتا ہوا مشرقِ وسطیٰ، یعنی فلسطین تھا۔ مظلوم فلسطینیوں کی فریاد سننے والا بھی کوئی نہ تھا۔ عرب اپنی بادشاہتوں کے نشے میں مگن تھے۔ انھیں فلسطینیوں کا بہتا ہوا خون کبھی نظر نہیں آیا۔ ایران کے سوا تمام مسلمان ممالک کی بیوروکریسی لوگوں میں مفاد پرستی پیدا کرتی رہی۔ اجتماعیت کی بات کرنے والا انھیں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ قومی اداروں میں اسی سوچ کی آبیاری کی گئی۔ یہی رویہ آج ہماری معاشرتی زندگی کی علامت بن چکا ہے۔

امریکی انتخابات' ان حالات میں مقتدرہ کی پالیسی میں تبدیلی کا مظہر دکھائی دیتے ہیں۔ بعض تجزیہ نگار ٹرمپ کے بیانئے کو امریکی مقتدرہ کے خلاف سمجھتے ہیں، حال آں کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ امریکا مذکورہ دونوں محاذوں پر شکست سے دوچار ہے۔ جس کے باعث اس کی عالمی ساکھ تباہ ہو رہی ہے۔ اس کی جنگی مہارتیں دم توڑ چکی ہیں۔ لڑنے والے آلات غیر مؤثر اور ناکارہ اور زنگ آلودہ ہو رہے ہیں۔ ٹرمپ کا اتنی شد و مد سے جنگ کے خلاف بیان بازی کرنا' حکمتِ عملی کا حصہ دکھائی دیتا ہے۔ اگر اس کی عسکری قوتیں اور ہتھیار کارگر ثابت ہوتے تو کبھی بھی میدانِ جنگ سے نہ بھاگتا۔ امریکی عالمی غلبہ چیلنج ہو چکا ہے۔ مدِمقابل ایک بہت بڑے اجتماع نے جگہ لے لی ہے۔ آدھی سے زیادہ دنیا امریکی اقدامات کو ردّ کر چکی ہے۔ 159 ممالک نے عملی طور پر برکس (BRICS) کے حق میں ووٹ دے کر اپنی نفرت کا اظہار کر دیا ہے۔

ٹرمپ کی جیت پر عالمی ردِعمل: اسرائیلی وزیراعظم نیتن یاہو نے کہا ہے کہ: ''ہم ٹرمپ کو تاریخی واپسی پر مبارک باد پیش کرتے ہیں''۔ اس نے مزید کہا کہ: ''وائٹ ہاؤس میں واپسی امریکا کے لیے نئی شروعات ہیں۔ یہ ایک بڑی کامیابی ہے۔ اس سے امریکا اور اسرائیل کے مضبوط اتحاد کو مزید تقویت ملے گی''۔ چینی وزارتِ خارجہ کے ترجمان نے کہا ہے کہ: ''ہم امریکا کے ساتھ باہمی احترام اور امن کے ساتھ جینے کے اصول پر مبنی تعلقات کے خواہاں ہیں، جس میں ہر فریق کی جیت ہو''۔ روس والوں کا کہنا ہے کہ: ''امریکا روس کے لیے اب بھی ایک حریف ریاست ہے۔ لہٰذا یہ وقت ہی بتائے گا کہ یوکرین جنگ کے خاتمے کے بارے میں ٹرمپ کی بیان بازی حقیقت میں بدلتی ہے یا نہیں، کیوں کہ اس وقت روس امریکا تعلقات انتہائی نچلی سطح پر ہیں۔ ٹرمپ کا حالیہ عہد' امریکا کے عالمی غلبے سے واپسی کا عہد شمار ہوگا۔ عالمی تنصیبات جو کبھی بالادستی کی علامت ہوا کرتی تھیں اب وبالِ جان ثابت ہوں گی۔ افغانستان کے بعد عراق سے واپسی کا سفر شروع ہو چکا ہے۔ کثیرالجہتی عالمی طاقتوں نے امریکا کی عالمی تنصیبات کے قیام کا جواز ختم کر دیا ہے۔ پاؤں جب ایک دفعہ اُکھڑ جائیں تو پھر پھسلن کی گراوٹ مزید پسپائی کی طرف دھکیلتی ہے، رُکنے کا سبب نہیں بنتی۔ تاریخ کا یہی سبق ہے۔

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

بقیہ:

امامِ انسانیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوتِ حنیفیّت

ایسے موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکمِ خداوندی کے ذریعے انسانیت کی اصل "ملتِ حنیفیه" کی اَساس پر اُس کے بنیادی اُصول، قاعدے اور مصلحتوں کی پہچان حاصل کی اور اُسے "ملتِ حنیفیه" کی صورت میں انسانیت میں قائم کرنے کے لیے عظیم الشان جدوجہد کی۔

قَالَ وَ مِنۡ ذُرِّيَّتِيۡ (بولا: اور میری اولاد میں سے بھی): حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے درخواست کی کہ انسانیت کی امامت میری اولاد میں بھی جاری رہنی چاہیے، تاکہ کسی بھی دور میں انسانیت ملتِ ابراهيميه حنيفيه سے انحراف نہ کرے اور اس کی اَساس پر کل انسانیت کی ترقی کا پروگرام جاری وساری رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی چاہا کہ میرے بعد میری اولاد کی اجتماعیت اس سچی ملتِ حنيفيه کو قائم کرنے کے لیے ہر دور میں موجود رہنی چاہیے۔ اسی پسِ منظر میں بیت اللہ کی تعمیر کے بعد انھوں نے دعا مانگتے ہوئے فرمایا تھا کہ: "اے پروردگار ہمارے! اور کر ہم کو حکم بردار اپنا، اور ہماری اولاد میں بھی کر ایک جماعت فرماں بردار اَپنی"۔ (2-البقرہ: 128)

قَالَ لَا يَنَالُ عَهۡدِي الظّٰلِمِيۡنَ (فرمایا: نہیں پہنچے گا میرا اقرار ظالموں کو): اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کی اولاد میں سے جو لوگ عدل وانصاف قائم کرنے اور انسانیت کی ترقی کے اعلیٰ بنیادی اَخلاق کے حامل ہوں گے، وہ ضرور آپ کی اس دعا کے عہد میں شامل ہوں گے، وہ اُمتِ مسلمہ بن کر اللہ تعالیٰ کی حکم برداری کریں گے۔ لیکن آپ کی اولاد میں سے جو لوگ ظالم اور ناانصافی کے مرتکب ہوں گے، ملتِ حنيفيه میں ترمیم و تنسیخ اور تحریف کر کے مسخ شدہ "ملتِ یہود" اور "ملتِ نصاریٰ" بنائیں گے، اُن کی امامت اور قیادت کا میری طرف سے کوئی عہد و پیمان نہیں ہے۔ وہ اِنسانیت کی قیادت اور امامت کے ہرگز مستحق نہیں ہیں۔

ملّتِ ابراهيميه حنيفيه کے یہ مُسلَّمات حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ماننے والے تمام انبیا اور اُن کی اُمتوں کی تسلیم شدہ باتیں ہیں، تورات وانجیل میں بھی یہی اُمور بیان کیے گئے ہیں۔ اس طرح یہ آیت بنی اسرائیل کی کتب میں بیان کردہ اُصولوں کی تائید پر مشتمل ہے۔ اب جو لوگ بھی اللہ کی کتابوں کی ذمہ داری کے ساتھ تلاوت کریں گے، وہ دینِ اسلام کی حقیقت سمجھ پائیں گے اور آخری نبی محمد مصطفیٰ ﷺ پر دل و جان سے ایمان لا کر اصل ملتِ حنيفيه کے پیروکار بن کر کامیاب ہوں گے۔

اس آیتِ مبارکہ میں بنی اسرائیل کے سنجیدہ اور سمجھ دار کتبِ الٰہیہ کی تلاوت کرنے والے لوگوں کو دعوت دی جا رہی ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے اپنے آپ کو قابلِ فخر سمجھتے ہیں، اُن کی اصل ملتِ حنيفيه کے بنیادی پیغام کو سمجھیں اور تحریف شدہ یہودیت اور نصرانیت سے توبہ تائب ہوں۔ اس دور میں ملتِ حنيفيه کے نمائندے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، ان کی اتباع ضروری ہے۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال میرے والد صاحب سرکاری ملازم تھے، جو حال ہی میں ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔ والد صاحب کا اپنے دو بھائیوں کے ساتھ مشترکہ کھاتہ تھا۔ والد صاحب دورانِ ملازمت اپنے گھر کی تمام ذمہ داریاں ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے بھائیوں کے ساتھ تعاونِ باہمی کرتے رہے۔ اسی دوران والد صاحب نے اپنی ذاتی رقم سے ایک پلاٹ وگاڑی خریدی، جس میں بھائیوں نے کوئی مدد اور تعاون نہیں کیا۔ اب والد صاحب اپنے بھائیوں سے بٹوارہ کرنا چاہتے ہیں۔ بھائی میرے والد سے گاڑی، پلاٹ اور پنشین میں بھی حصے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ کیا شرعاً مذکورہ بالا اشیا میں ان کا حصہ بنتا ہے؟ سائل: فواد احمد، مردان

جواب آپ کے والد صاحب نے مشترکہ کھاتے میں جو بھی رقم خرچ کی، وہ سب مشترکہ ہی شمار ہوگی۔ تقسیم کے وقت اس کے سب حصہ دار حق دار ہوں گے، لیکن جو اشیا والد صاحب نے خالص اپنی رقم سے اپنی ذات کے لیے بنائیں یا خریدیں (پلاٹ، گاڑی، پنشن)، وہ آپ کے والد صاحب کی ہی شمار ہوں گی۔ اس میں سے بھائی جبراً اس کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔

بقیہ: سانحۂ 25 نومبر اسی کے ساتھ سیاست میں سرگرم کارکنوں پر اس بات کی حقیقت واضح ہو جانی چاہیے کہ ان کے سیاسی اور آئینی مطالبات اپنی جگہ پر اہمیت رکھتے ہیں، لیکن بنیادی مسئلہ اس ملک میں اس سامراجی نظام کا ہے، جس نے یہاں غلامی کے دور کی روایات کو مستحکم کر رکھا ہے۔ نظام کو بدلنے کی جدوجہد ایک اعلیٰ درجے کے قومی نصب العین پر قیادت کی شعوری تربیت کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ایک باشعور منظّم سماجی قوت کی تشکیل کے بغیر درست لائحۂ عمل اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے انھیں اپنے قومی شعور کی سطح کو بلند کرتے ہوئے حقیقی نصب العین سے آگہی اور پُرامن اور مستقل مزاحمت کی منصوبہ بندی کی اہمیت کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ (مدیر)

بقیہ: سقوطِ بغداد؛ وجوہات واسباب اب ہلاکو خان نے خلیفہ کو قتل کرنے کے بارے میں مشورہ کیا تو نصیر الدین طوسی اور ابن علقمی نے مشورہ دیا کہ مستعصم مسلمانوں کا خلیفہ تھا، اس کے خون سے تلوار کو آلودہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ کسی قالین میں لپیٹ کر پاؤں سے کچلوانا چاہیے۔ چناں چہ یہ کام اسی غدارِ وطن ابن علقمی کے سپرد ہوا۔ اس نے اپنے آقا کو ایک قالین میں لپیٹ کر اس قدر لاتوں سے مارا کہ خلیفہ کا دم نکل گیا۔ اس کے بعد ہلاکو خان نے شاہی کتب خانے کی تمام کتابیں دریائے دجلہ میں پھینکوا دیں۔ پہلے دجلہ کا پانی مقتولین کے خون سے سرخ ہو گیا تھا، اب کتابوں کی سیاہی سے سیاہ ہو گیا۔ تمام شاہی محل مسمار کر دیے گئے۔ غرض یہ ایسی ہلاکت وبربادی تھی، جس کی نظیر سابقہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ شیخ سعدیؒ نوحہ کناں ہیں کہ ؎

دجلہ خونابست ازیں پس گر نہد سر در نشیب — خاک نخلستان بطحا را کند در خون عجین

(دریائے دجلہ کا پانی اب لہولہو ہے، اس کے بعد اگر وہ کبھی نشیب میں بہے
تو نخلستانِ بطحا کی خاک کو خون میں لتھڑ دے۔)

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔